Green snake in the green grass.

والنّاس....

امریکہ سے آٹھ سوالوں کے جوابات

پروفیسر حافظ عبدالرزّاق

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

تعارف

انگریز نے دو سو سال تک ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں جب دیرینہ غلاموں کو آزادی کا تحفہ دیا تو اس کے ساتھ اپنی معنوی اولاد کی ایک مستند تربیت یافتہ ٹیم بھی دی۔ یعنی ایک ہاتھ سے جو دیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیا وہ یوں کہ آزادی صرف کالے انگریزوں کے حصے میں۔ مسلمان بدستور غلام ہی رہے اور اقبال کے اس شعر کی تصدیق ہو گئی کہ۔

اگر قبول کرے دین مصطفیٰ انگریز
سید روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

یہ کالے انگریز نصف صدی سے قوم پر سوار ہیں اور ان کو کھلی آزادی ہے کہ قوم اور ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں۔ حکمران اب بھی انگریز ہے فرق اتنا پڑا ہے کہ اب وہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے حکومت کر رہا ہے۔

ان کالے انگریزوں کا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم اہل وطن سے مختلف ہے اس کی تکمیل U.K یا امریکہ میں ہی ہوتی ہے۔

یورپ خوب جانتا ہے کہ یہ کالے انگریز جو یہاں تکمیل علم کے لئے آتے ہیں یہی مستقبل کے حکمران ہیں اس لئے ان طالب علموں کا شکار وہ لوگ یوں کرتے ہیں کہ اسلام اور قرآن کے متعلق شکوک و شبہات ایجاد کر کے ان طالب علموں کو پیش کرتے ہیں غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ اسلام اور قرآن کے متعلق شکوک و شبہات لے کر وطن کو لوٹیں اور ان کے صرف نام مسلمانوں جیسے ہوں انؐ کی روح اور ان کے نظریات خالص کافرانہ ہوں۔ یہ وہی عمل ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے اطلاع دی ہے کہ خناس کا کام طرح طرح کے وسوسے پیدا کرنا ہے اور یہ خناس جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ کماقال یوسوس فی صدور الناس من الجنته والناس۔

یہ کتابچہ اس والناس گروپ کے آٹھ سوالوں اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کا فہم عطا فرمائے۔

عبدالرزاق عفی عنہ

امریکہ سے چند سوالات اور ان کے جوابات

Q No 1 : People here have made a big deal about an Ayat (I have forgetten which exact one'it is but it is listed in Yusaf Ali's index under christian) whose central idea is "Take not the Christians and Jews as your friends. They are friends only to one another". Then it goes on to talk about the punishment of the lord.

ترجمہ - لوگوں نے یہاں اس آیت کا شاخسانہ بنا رکھا ہے (مجھے یاد نہیں کہ وہ بعینہ کونسی آیت ہے مگر وہ یوسف علی کے ضمیمہ میں نصاریٰ کے نیچے درج ہے) جس کا لب لباب یہ ہے "یہودی و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ رکھو وہ صرف ایک دوسرے کے دوست ہیں" پھر یہ آیت اللہ کے عذاب کا ذکر کرتی ہے۔

جواب : جس آیت کا حوالہ دیا گیا وہ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 51 ہے۔ یا ایھا الذین امنوالا تتخذو الیھود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم - ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین (51)

سوال یہ ہے کہ لوگوں کو یہ حکم کیوں کھٹکتا ہے۔ آیئے اس پر غور کریں۔ (1) جس کام کے نہ کرنے کو اللہ کریم نے حکم دیا وہ کام کیا ہے۔ اس کے لئے لفظ "اولیاء" استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے معنی کیا ہیں؟

عربی لغت المنجد میں محب صدیق' حلیف' فارسی کی لغت میں دوست' مدد گار' نگہبان اور دوست کے معنی ہیں دو کاغذوں کو باہم اس طرح چسپاں کیا جائے کہ وہ ایک کاغذ بن جائے۔

عربی انگریزی ڈکشنری میں : *one Beloved Friend' Helper Protector Benefactor Patron' Favourit master*

(2) اب آیئے انسانی نفسیات کی طرف۔ لڑکا کالج میں ہوتا ہے۔ بیسیوں طلبہ اس کے ہم

جماعت ہوتے ہیں وہ ان میں گھل مل کے رہتا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ انتخاب کرتا رہتا ہے ایک یا دو ایسے ہم جماعت چن لیتا ہے جن کے ساتھ اس کے گہرے تعلقات ہو جاتے ہیں۔ انہیں وہ دوست کہتا ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی ہم جماعت اس کے دشمن ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں پھر ان ایک دو کو کس اصول کے تحت انتخاب کرتا ہے۔ وہ اصول ہے طبیعت کا ملنا۔ مزاج کا ملنا' پسند و ناپسند کا معیار ایک ہونا۔ یہ عمل انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور اسلام دین فطرت ہے۔ اس لئے جو احکام وہ دیتا ہے انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ بلکہ فطرت ان کا تقاضا کرتی ہے۔

(3) اس عمل انتخاب میں انسان کبھی کبھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ کیوں کہ بعض لوگ ایکٹر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو وہ ظاہر کرتے ہیں جو وہ حقیقت میں نہیں ہوتے۔ اس لئے نبی رحمت نے اس سلسلے میں بڑی احتیاط کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا الحرء علی دین خلیل فلینظر احلاکم من یخالل۔ یعنی انسان اپنے دوست کا طور طریقہ اپنا لیتا ہے۔ اس لئے خوب چھان بین کر کے کسی کو دوست بنایا کرو۔

(4) اس آیت میں انسان کی اسی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تمہارا مزاج نہیں ملتا کیوں کہ پسند و ناپسند کا معیار مختلف ہی نہیں بلکہ بالکل الٹا ہے۔ اس لئے اگر تم نے یہ کر لیا تو پھر پچھتاؤ گے۔ کیوں کہ محبت ناجنس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔

(5) دوستی کے رشتے کا مقام وہ ہے کہ خونی رشتوں سے بھی یہ اہم ہے۔ بعض شاعر بھی فطرت کی عکاسی کرتے ہیں چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

(6) قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور ماڈرن سائیکالوجی کے ماہرین کہتے ہیں کہ آیات کا نزول *Psychological moment* کے اصول کے تحت ہوتا رہا یعنی جس وقت جس قسم کی رہنمائی کی سخت ضرورت محسوس ہوتی فوراً کوئی آیت نازل ہو جاتی جو اس سلسلے میں مکمل رہنمائی کرتی۔ اس کو مفسرین کی اصطلاح میں شان نزول کہتے ہیں اور نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس موقع پر آئی ہوئی ہدایت دل میں گھر کر جاتی ہے اور پھر کبھی بھولتی نہیں۔ تو اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ۔

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی وہ یہ کہ نبی رحمت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اطراف کے یہود و نصاریٰ سے ایک معاہدہ اس پر کر لیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف نہ خود جنگ کریں گے نہ کسی جنگ کرنے والی قوم کی مدد کریں گے مگر مسلمانوں سے مل کر ان کا مقابلہ کریں گے لیکن یہودی سازش کر کے مشرکین مکہ سے مل گئے اور ان کے لئے جاسوسی کا کام کرنے لگے مسلمانوں کو دکھ ہوا۔ اللہ کریم نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کی دوستی سے روک دیا۔

(7) یہ آیت نازل تو ان حالات میں ہوئی لیکن حکم ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔ اب تاریخ سے پوچھنا چاہئے کہ

(ا) ان چودہ صدیوں میں یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کے ساتھ کسی ایک موقعہ پر بھی وہ سلوک کیا جو "اولیا" کے معنوں کا تقاضا تھا؟ تاریخ اس کے بالکل الٹ اپنا ریکارڈ پیش کرتی ہے۔ مثلاً" سب سے پہلے صلیبی جنگوں کو دیکھئے۔ یہ برسوں پر نہیں صدیوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ پھر دیکھئے کہ اسلام میں "خلافت" کا نظام ان کی وحدت اور مرکزیت کو قائم رکھنے کا اہم ذریعہ تھا۔ یہود و نصاریٰ نے یہ 12 صدیوں کا نظام 1924ء میں یوں ختم کرایا کہ اب تک مسلمان متحد نہیں ہو سکے۔ اسی پر اقبال نے کہا تھا۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

پھر ان لوگوں نے عرب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کئی ریاستوں کی شکل دی۔ پاک و ہند میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا۔ کیا اسے دوستی کہا جا سکتا ہے؟ پھر اب مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک یہ کر رہے ہیں مثلاً" بوسنیا، افریقہ بلکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک کیا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے ساتھ "دوستی" کے تعلقات رکھنے چاہئیں؟ یہ اس آیت کی صداقت کی دلیل ہے پھر یہود و نصاریٰ کا آپس میں دوست ہونا تو اظہر من الشمس ہے۔ 1917ء میں اعلان بالفور ہوا جس میں یہود و نصاریٰ کا اتحاد قائم ہوا 3.7.36 کو ڈیلی ٹیلیگراف میں ایک مضمون چھپا جس میں لکھا تھا۔

"فلسطین میں یہودی اکثریت کی تخلیق - یہودیوں اور انگریزوں کے درمیان ایک سچے اتحاد کی مظہر ہے"۔

جس وقت ہاؤس آف کامنز میں اعلان بالفور کے مستقبل پر غور ہو رہا تھا صدر ولسن نے

وائیٹ ہاؤس سے ایک بیان جاری کیا تھا۔

"میری گورنمنٹ کی غیر مشروط حمایت کے ساتھ اتحادیوں نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا ہے" (لائیڈ جارج کی تصنیف)

The truth about the peace conference) 2:203

14-5-46 کو تل ابیب میں یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کرایا گیا اور امریکہ نے فوراً اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔

1948ء اور 1955ء کے درمیان اسرائیل کو ملنے والی امریکی امداد 140 ملین ڈالر سے بڑھ کر 1100 ملین ڈالر ہو گئی۔ پھر یہودی اور عیسائیوں کے اتحاد کے متعلق کچھ تفصیل ملے گی۔

(Economic Development of middle East 1945 to 54 Page 137' 139' 146' 195)

اس لئے قرآن نے جو کچھ کہا وہ چودہ صدیوں میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتا رہا اور تاریخ نے اس کو بڑی دیانتداری سے محفوظ رکھا ہے۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ سے "دوستی" کی ممانعت ہے رواداری، حسن سلوک، خیر خواہی، عدل و انصاف کی ممانعت نہیں۔ لفظ اولیاء کے جو معنی دیئے گئے ہیں ان کو نہ بھولئے۔

اس مسئلہ پر اگر اجتماعی زندگی اور انتظامی پہلو سے غور کیا جائے تو بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔

وہ یوں کہ جو ریاست کسی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر وجود میں آئی ہو اس کے انتظام کے سلسلے میں اس امر کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جس سے آئیڈیالوجی پر زد پڑتی ہو۔ اس ریاست کی کلیدی آسامیوں پر ایسے لوگ متعین کئے جائیں جو اس آئیڈیالوجی پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔ سلطنت کے راز کسی ایسے شخص تک نہ پہنچنے پائیں جو اس آئیڈیالوجی سے اختلاف رکھتا ہو مثلاً" ایک سٹیٹ جو کمیونزم کی بنیاد پر وجود میں آئی ہو وہاں کسی غیر کمیونسٹ کو کوئی ایسی ذمہ داری نہیں دی جاتی جس کا تعلق آئیڈیالوجی سے ہو نہ کسی غیر کمیونسٹ کو راز دار بنایا جاتا ہے۔ یہی حال کسی امپریلسٹ سٹیٹ کا ہے وہاں کسی کمیونسٹ کو کوئی ایسی ذمہ داری نہیں دی جاتی جو سلطنت کے اہم اور خفیہ رازوں کے متعلق ہو۔

اس عالمگیر! اجتماعی اور انتظامی ضرورت کو پیش نظر رکھیں پھر دیکھیں کہ اسلام کی بنیاد توحید ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہی توحید ہے اور یہود و نصاریٰ کے مذہب کی بنیاد

ہی شرک - یہ مشرق مغرب کا فرق ہے۔
اسلام کے نزدیک سب سے بڑی اور بھیانک برائی شرک ہے اور یہود و نصاریٰ کے نزدیک سب سے بڑی خوبی شرک ہے۔ اس لئے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے درمیان دوستی اور راز داری کا رشتہ کیوں کر قائم ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا یہ ارشاد فطری داعیہ پر مبنی ہے البتہ یہود و نصاریٰ میں اختلافات کے باوجود یہ بنیادی قدر مشترک موجود ہے کہ دونوں کی بنیاد شرک پر ہے لہٰذا وہ ایک دوسرے کے دوست ہو سکتے ہیں۔
ہم نے تو آیت کے حکم کی حکمت اور اس حکم کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے وہ یوں کہ ہم نے بڑے جتن کر کے اور بڑے جوش و جذبے کا ثبوت دے کر یہ ملک اس لئے حاصل کیا تھا کہ ہم اس کی غرض گلے پھاڑ پھاڑ کے لوگوں کو بتاتے رہے کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لاالہ الا اللّٰہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ 14 اگست 1947ء کو یہ ملک آزاد ہوا تو 15 اگست کو یہ اعلان ہو جاتا ہے کہ اس ملک کے آئین اور قانون میں قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہو گی۔ مگر آج یکم ستمبر 1995ء تک یہ ریاست کلمہ پڑھ کے اسلامی ریاست نہیں بن سکی۔ اس کی وجہ اس کے بغیر کیا ہے کہ ہم نے اپنے حکمران ہر مرحلے پر ایسے منتخب کیے جن کی سوچ یہود و نصاریٰ کی جن کی تعلیم یہود و نصاریٰ کی جن کی تہذیب یہود و نصاریٰ کی جن کا تمدن یہود و نصاریٰ کا غرضیکہ فکر و عمل کے ہر لحاظ سے یہ یہود و نصاریٰ کی کاربن کاپی تھے صرف اتنا فرق رہا تھا کہ یہ ایسے گھروں میں پیدا ہوئے جن میں بسنے والوں کے نام مسلمانوں جیسے تھے اور بس۔ تو ان اسلامی یہود و نصاریٰ کو دوست سمجھنے کا یہ نتیجہ نکلا تو جو اصل یہود و نصاریٰ ہیں ان کو دوست سمجھا جائے تو نہ جانے کیا قیامت برپا ہو۔

چمن کے رنگ و بو نے کس قدر دھوکے دیئے مجھ کو
کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی

Q NO : - 2 People also challange another verse which says that Christian listen to the Quran and tears come into their eyes and they recognize the truth. They claim that there are good christian love the lord serve him go to church etc. but dont think that the Quran

is the Work of God.

سوال نمبر 2- ترجمہ - لوگ قرآن کی ایک اور آیت کو چیلنج کرتے ہیں۔ جو کہتی ہے کہ سنتے ہیں نصاریٰ قرآن کو اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور وہ سچائی کو پہچان جاتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نیک عیسائی ہیں کہ وہ خدا سے پیار کرتے ہیں اس کی خدمت کرتے ہیں گرجا گھر جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ مگر وہ قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

جواب:۔ جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 83 ہے۔ "واذاسمعو ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مماعرفو من الحق یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشاھدین"

اس آیت میں کوئی قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا گیا کہ قیامت تک وہ عیسائی جن کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ چرچ جاتے ہیں خدا سے محبت کرتے ہیں۔ وہ قرآن سن کر رو پڑیں گے اور مسلمان ہو جائیں گے بلکہ اس آیت میں ایک تاریخی واقعہ بیان ہوا ہے جس کا تعلق ماضی سے ہے مستقبل سے نہیں چنانچہ آیت نمبر 82 میں بیان ہوا کہ الذین قالوا قالوا ماضی کا صیغہ ہے پھر آیت نمبر 83 سمعوا ماضی کا صیغہ ہے۔ وہ واقعہ یوں ہے کہ قریش کے مظالم سے تنگ آ کر صحابہ ہجرت کی سوچنے لگے۔ چنانچہ ہجرت کے لئے حبشہ یعنی ابی سینا کا ملک تجویز ہوا۔ اور شروع میں 11 مرد اور 4 عورتوں نے حبشہ میں ہجرت کی۔ قریش نے تعاقب کیا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے قریش کے مطالبہ پر مسلمانوں کو طلب کیا۔ حضرت جعفرؓ طیار نے اسلام کا تعارف کرایا۔ پھر اس کے مطالبہ پر سورۃ مریم کی تلاوت کی۔ سن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔

قریش نے پھر اکسایا کہ ان سے پوچھو عیسیٰؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ اس نے دوسرے روز حضرت جعفر طیار سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا "وہ اللہ کے بندے' اس کے رسول اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے جو مریم عذرس پر القا کیا گیا"

نجاشی نے کہا خدا کی قسم جو تم نے بتایا عیسیٰؑ اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ جب مسلمانوں نے واپسی کا عزم کیا تو نجاشی نے نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ ستر آدمی تھے۔ جب یہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے سورہ یٰسین پڑھ کر سنائی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اس آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہے رہا یہ سوال کہ اب بڑے نیک عیسائی موجود ہیں مگر قرآن کو تو وہ اللہ کا کلام ہی نہیں سمجھتے۔

سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو آپ بڑے نیک۔ اور چرچ جانے والے سمجھتے ہیں کیا اللہ بھی انہیں ایسا سمجھتا ہے؟ آپ پھر یہ کیوں کہا کرتے ہیں۔

Nearer to church farther from God.

معلوم ہوتا ہے ہمارے سامنے جو ہوتا ہے وہ ایکٹنگ ہوتی ہے اور اللہ حقیقت جانتا ہے۔ ہماری حالت وہ ہے جیسے ایک طالب علم امتحان میں بیٹھے اور کہے سارا پرچہ کیا ہے۔ دس *sheet* *Extra* لگائے ہیں۔ نتیجہ آیا تو فیل وجہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ ممتحن نے کرنا ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ اصل سوال کا جواب بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا سٹینڈرڈ کے مطابق ہے۔ اس لئے چرچ میں جانے والے ضروری نہیں کہ حقیقت میں زاہد و عابد اور عالم ہوں۔ تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور نہیں تو *T.ARNOLD* کی *Preaching of Islam* ہی پڑھ لیجئے۔ وہ لکھتا ہے کہ *1140*ء میں روم کا پہلا عیسائی شہزادہ مسلمان ہوا جو جان کینز کا بھتیجا تھا۔ پھر اکثر شہزادے مسلمان ہوگئے۔ پھر لکھتا ہے کہ سترہویں صدی کے وسط میں کثرت سے عیسائی مسلمان ہوئے۔ قسیسین میں اکثر لوگ مسلمان ہوئے۔ کلیسا کے بڑے بڑے افسر اور عہدہ دار مسلمان ہوئے۔ *1675*ء میں تین قسیسین مسلمان ہوئے *1679*ء میں ایک عیسائی راہب مسلمان ہوا۔ آج کل جو یورپ اور امریکہ میں عیسائی مسلمان ہو رہے ہیں کیا وہ مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان ہوتے ہیں یا قرآن مجید کی تعلیمات انہیں اپنی طرف لاتی ہیں۔ مسلمانوں کو تو مسلمان ہی نہیں رہنے دیا بقول اقبال۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

لہٰذا یہ چیلنج بے معنی ہے قرآن مجید میں اب بھی وہی کشش ہے ہاں سینے میں دل زندہ ہو تو

Q NO.3- The Quran says that nothing happens to man which he does not bring upon himself. Why then do bad things happen to good people ?

ترجمہ سوال نمبر-3- قرآن کہتا ہے انسان کو کچھ سہنا نہیں پڑتا سوائے اس کے جو وہ خود اپنے اوپر لادتا ہے پھر برے حالات اچھے لوگوں کو کیوں پیش آتے ہیں؟

جواب :- اعتراض یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ ہر آدمی کو اپنے کئے کا بدلہ ملتا ہے۔ تو برے آدمی کو اچھے دن دیکھنے کیوں نصیب ہوتے ہیں۔

Good اور Bad دونوں Relative terms ہیں۔

ایک آدمی ایک کام کو اچھا کہتا ہے دوسرا آدمی اس کو برا کہتا ہے اس طرح ایک آدمی کو کچھ لوگ اچھا کہتے ہیں اور کچھ برا کہتے ہیں۔ اس لئے کسی نہ کسی کو اللہ کی تقسیم ناپسند ہو گی۔ مغربی دنیا اور مشرقی دنیا کا معیار بالکل مختلف ہے۔ مثلاً" مغرب اور امریکہ میں

Swain dating play boy clubs, alting backing staking

اچھی سمجھی جاتی ہے۔ مگر مشرق ان سب کو لعنت سمجھتا ہے۔ انڈیانا سٹیٹ میں Nakedness موجود ہے سب ننگے اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ نیچر کے ہم نوا ہیں مگر مشرق اسے کتوں' بندروں اور خنزیروں کا معاشرہ سمجھتا ہے۔ بتایئے اب اللہ کی تقسیم کیسے ہو کہ دونوں گروپ مطمئن ہو جائیں۔

یہی نہیں ایک آدمی کی اپنی رائے بدل سکتی ہے آج جسے برا کہہ رہا ہے کل وہ اچھا ہو گا۔ 1920ء میں امریکی قانون ساز اسمبلی نے شراب کو ممنوع قرار دے دیا گویا شراب بری ہے اور شرابی برے ہیں اس کے لئے 65 ملین ڈالر صرف پمفلٹ وغیرہ پر خرچ ہوئے اور 6'000'000'000 صفحات طبع ہو کر تقسیم ہوئے۔ وزارت عدل نے جو اعداد و شمار دیئے وہ یہ ہیں (i) قانون کے نفاذ کے لئے 200 آدمی مارے گئے (ii) 5 لاکھ قید کئے گئے (iii) 5 لاکھ پر جرمانہ ہوا (iv) 400 ملین کی جائیداد ضبط کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکن اسمبلی کی نگاہ میں شراب کتنی بری ہے کہ 1933ء میں اسی اسمبلی نے قانون واپس لے لیا یعنی 14 سال بعد شراب اچھی چیز قرار دے دی گئی اور شرابی Good قرار دیئے گئے۔

(2) دنیا میں انبیاء کے سوا کوئی ایسا Good آدمی نہیں جس میں کوئی خامی نہ ہو اور کوئی ایسا برا آدمی نہیں جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ اس لئے ممکن ہے لوگ برا سمجھتے اس میں کوئی ایسی خوبی ہو جس کے صلے میں اسے آرام مل رہا ہو۔ یہ فیصلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں یہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔

(3) انسان کے فیصلے سطحی ہوتے ہیں جس کو انسان عیش یا خوشی قرار دے رہا ہے وہ درحقیقت اس کے لئے سزا ہو مثلاً" ایک آدمی رشوت لیتا ہے برا کام کیا مگر پیسے مل گئے عیش کرے گا مگر یہی عیش اس کے لئے وبال جان ثابت ہو سکتی ہے۔ قانون کی زد میں آ جائے اور

اگلی پچھلی عیش سزا میں بدل جائے۔

(4) یہ دنیا دارالعمل ہے دارالجزاء نہیں اس لئے یہاں اپنے کئے کا پورا بدلہ نہیں ملتا نہ مل سکتا ہے۔ مثلاً" دیکھئے B.29 جہاز میں 5-8-45 کو 11 آدمیوں نے بیس ہزار فٹ کی بلندی سے ہیروشیما پر ایک بم پھینکا ایک لاکھ 60 ہزار آدمی مارے گئے۔ اور مالی نقصان یہ کہ پورا شہر کھنڈر بن گیا اور ان 11 آدمیوں میں سے کوئی بھی نہ مرا اب بتایئے کہ اس دنیا میں ان کو اس کی سزا کیوں کر مل سکتی ہے۔ اس لئے جزا و سزا جہاں ملتی ہے وہ دنیا ہی اور ہے۔

ایک بات لطیفہ ہی سمجھئے۔ مخلوق میں بدترین فرد تو ابلیس ہے۔ اس میں بھی ایک خوبی تھی یعنی مستقل مزاجی۔ اس کو اس کا انعام یہ ملا کہ قیامت تک اس کے لئے موت نہیں کتنی بڑی عیش ہے۔ لوگ لمبی عمر کے لئے ترستے ہیں لیکن غور کیجئے یہ لمبی عمر اس کے لئے سزا ہے کہ جتنی زیادہ برائیاں کرے گا اتنی زیادہ سزا ملے گی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ بندہ بندہ ہی رہے خدا بننے کی کوشش نہ کرے نظام کائنات چلانا صرف خدا کا کام ہے۔

Q NO (4) : It is human nature (and the Quran confirm this) almost like a knee-jerk reaction to cry out in pain Are the people then to blame if they become bitter towards religion and God when they are stricken by a calamity like a death of their child etc?

سوال نمبر-4- کا ترجمہ - یہ انسانی فطرت ہے (اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے) کہ گھٹنے کے قدرتاً" جھٹکہ کھانے کی طرح ہی جب انسان درد میں مبتلا ہو جاتا ہے تو چلا اٹھتا ہے تو کیا ایسے انسان کو گناہگار ٹھہرایا جا سکتا ہے جو خدا اور اس کے مذہب سے ناراض ہو جائے جب کہ وہ کسی اچانک صدمے سے دوچار ہو مثلاً" بچے کی موت کا صدمہ؟

جواب : - تکلیف کے وقت آہ بھرنا اور چیخنا اور شے ہے اور اللہ کے خلاف گلہ شکوہ کرنا الگ شے ہے۔ چوٹ لگے ہائے نکل جانا بیٹا مرجائے رنج ہونا قدرتی امر ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن مذہب پر غصہ آنا کس لئے کیا مذہب نے چوٹ لگائی یا بچے کو مذہب نے مارا؟ یہ تو نری حماقت ہے۔

رہی دوسری بات کہ اللہ پر غصہ آنا اور اول فول بکنا یہ کیوں؟ بچہ آپ نے کتنے میں خریدا

تھا؟ جن کے بچے نہیں ہوتے کیوں نہیں ہوتے؟ خوب سوچیئے۔ آپ خود ' آپ کا بچہ ' آپ کی کوئی قوت آپ کی ملکیت ہے ہی نہیں یہ سب *Government property* ہے۔ اس کا مالک وہ ہے جس نے دیا۔ آپ کے پاس اس کی "امانت ہے۔ جب وہ چاہے اپنی چیز واپس لے لے۔ آپ کون ہوتے ہیں اس سے جھگڑنے والے۔ جس نے امانت دی تھی اس نے وہی چیز واپس لے لی۔ ہاں آپ سے باز پرس ہو گی کہ آپ نے اس کی دی ہوئی امانت کو استعمال کیسے کیا یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ

Misuse of government property is an offence

اس لئے مالک کے ساتھ اس کی چیز کے بارے میں آپ کو جھگڑنے کا حق ہی کوئی نہیں۔

اس کا قانون یہ ہے کہ پیدا ہونا مرنے کے لئے ہے اور مرنے کا وقت مقرر کرنا اس کا کام ہے جس نے پیدا کیا۔ آپ *Tress pass* کر کے اس کی *Jurisdiction* میں جانے کی حماقت کیوں کرتے ہیں۔ اگر کرتے ہیں تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا آپ سکھی نہیں رہ سکتے۔ اگر آپ اپنی سوچ کا زاویہ درست کر لیں تو بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ مثلاً "گورنمنٹ مہربانی کر کے آپ کو ایک گاڑی دے دیتی ہے کہ اس کو استعمال کیجئے اس کی مناسب دیکھ بھال کرتے رہنا آپ بڑے خوش ہوتے ہیں اور خوب عیش کرتے ہیں کچھ عرصے بعد خواہ وہ عرصہ چند دن ہوں یا چند مہینے ہوں یا چند سال ہوں گورنمنٹ وہ گاڑی واپس لے لیتی ہے تو کیا آپ بیٹھ کے آنسوے بہانا شروع کر دیں گے یا گورنمنٹ کو کوسنا شروع کر دیں گے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہر عقلمند آدمی آپ کو احمق ہی کہے گا کہ گورنمنٹ نے مہربانی کی۔ آپ نے عیش کر لی۔ گورنمنٹ کا مال تھا واپس لے لیا۔ بات ختم ہوئی۔ ہاں یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ آپ نے گاڑی کو استعمال کیسے کیا اگر آپ نے پٹرول والی گاڑی میں ڈیزل ڈال کر چلانے کی حماقت کی تو یقیناً" جرمانہ ہو گا۔

سوچ کی ایک اور صورت ۔ قرآن کریم نے چودہ صدیاں پہلے اعلان کیا تھا کہ جن چیزوں کو تم بے جان سمجھتے ہو یہ بھی زندہ ہیں شعور رکھتی ہیں۔ وان من شیی الا یسبح بحمدہ (44:17) آج سائنس نے بھی اعلان کر دیا کہ نباتات بھی زندہ مخلوق ہے سائنس اور قرآن مخالف نہیں ہاں طریقہ کار مختلف ہے سائنس کا کام تلاش حقیقت ہے اور اسلام کا کام بیان حقیقت ہے۔ سائنس تلاش کرتی کرتی کہیں حقیقت تک پہنچتی ہے اور اسلام پہلے ہی حقیقت بیان کر دیتا ہے۔ خیر تو آپ پودے لگاتے ہیں اپنی پلاننگ کے مطابق شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرتے

ہیں کبھی پودے اکھاڑ دیتے ہیں اگر پودے آپ کو سنے لگیں کہ آپ نے ہم پر کیا ظلم کیا تو آپ کیا جواب دیں گے یہی نا کہ ہم مالک ہیں ہم اپنی پلاننگ کے تحت جو چاہیں کریں۔

آخر میں ایک بات سمجھ لیجئے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے آپ کمرہ امتحان میں بیٹھے ہیں امتحان کا ایک پرچہ "صبر" ہے کہ آپ کو ایک مشکل میں ڈال دیا جاتا ہے کیا آپ صبر کرتے ہیں؟ اگر ایسا کرتے ہیں تو آپ کو اعلیٰ ڈگری بھی ملے گی ایوارڈ بھی ملے گا اور انعام بھی ملے گا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کا کوئی چھوٹا بچہ فوت ہو گیا اس نے صبر کیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے بھری مخلوق کے سامنے خوشنودی کا سرٹیفکیٹ بھی دے گا اور انعام بھی دے گا۔ حالانکہ چیز اسی کی تھی اسی نے لے لی۔ انعام ہمیں مل رہا ہے۔

قربان جایئے اس کی بندہ نوازی پر

Q No 5:- How far does the Islamic concept of divine grace' repentance and it's acceptance go?

ترجمہ سول نمبر -5- اسلام میں اللہ کی رحمت' توبہ اور اس کی قبولیت میں تطابق کس طرح ہوتا ہے

جواب :- انسان خطا کا پتلا ہے کتنی احتیاط کرے غلطی کر ہی جاتا ہے اور اگر ڈھیٹ بن جائے تو غلطی نہیں کرتا بلکہ مخالفت اور بغاوت پر اتر آتا ہے۔ دیوی حکومتیں بھی مجرم کو تو سزا دیتی ہیں۔ اور معاف بھی کر دیتی ہیں لیکن باغی سے کوئی رعایت نہیں کرتیں مگر اللہ ایسا کریم ہے کہ وہ باغی تک کو معاف کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ معافی مانگے۔ قرآن مجید کہتا ہے۔

قل یعبادی الذین اسرفو علی انفسھم لا تقنطومن رحمتہ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔ (53:39)

یعنی اے میری نبی کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو ! جنہوں نے اپنی ذات کے ساتھ زیادتی کی ہے (یعنی گناہ کئے ہیں) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہونا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کر دے گا یقیناً" وہی ہے بخشنے والا اور رحیم بھی۔

گناہ سے معافی مانگنے کا ایک سلیقہ ہے اس کا نام توبہ ہے اور توبہ کی دو قسمیں ہیں ایک ہے توبہ کی ایکٹنگ اور دوسری سچی توبہ۔ پہلی قسم یوں سمجھئے کہ آدمی نے شراب پی خیال آیا یہ گناہ ہے چلو توبہ کر لیں تو اس نے توبہ توبہ کہنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ شراب کے Peg بھی چڑھاتا چلا گیا یہ ہے توبہ کی ایکٹنگ اور حقیقی توبہ کے کئی اجزاء ہیں مثلاً" 1- گناہ کا احساس

2-اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے 3-آئندہ یہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے خواہ پھر ہو جائے مگر توبہ کے وقت پختہ ارادہ ہو کہ پھر نہیں کروں گا۔ 4-اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ڈٹ جائے 5-نہایت گریہ و زاری سے معافی مانگے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

یایھا الذین امنو توبو الی اللہ توبتہ نصوحا" (8:66) یعنی اے ایمان والو توبہ کرو سچی توبہ۔

توبہ کی حقیقت یوں سمجھئے کہ کپڑے میلے ہو گئے ان کو صاف کرنے کے لئے صابن۔ سرف یا کوئی *detergent* استعمال کریں گے۔ اس کا بھی سلیقہ ہے مثلاً" اگر خشک کپڑے پر صابن زور زور سے رگڑیں گے تو وہ صاف نہیں ہو گا جب تک پانی استعمال نہیں کریں گے اسی طرح سچی توبہ یہ ہے کہ زبان سے معافی مانگتے وقت ندامت کے آنسوؤں کا پانی بھی ملائیں نبی رحمت ﷺ نے غالباً" اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں ہی فرمایا کہ میرا اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے اگر تیرے گناہ اتنے ہو جائیں کہ آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھی بھر جائے تب بھی معاف کر دوں گا۔ پھر فرمایا میرے بندے اگر تیرے گناہ اتنے ہو جائیں کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساری زمین تیرے گناہوں سے بھر جائے تب بھی معاف کر دوں گا۔

یہ ہے توبہ کا سلیقہ اور یہ ہے اللہ کریم کی بخشش کی شان۔

یہ نہ ہو کہ آدمی کہے چلو آج توبہ کر لو کل سے پھر نئے سرے سے گناہ کرنا شروع کر دیں گے یہ توبہ نہیں بلکہ توبہ سے مذاق ہے ہاں پھر گناہ ہو جانا اور بات ہے خوب کہا ہے کسی نے۔

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

Q No 6: What does a man do if he feels tired of life 'drained of faith and simply does not have the will to seek out the Almighty.

ترجمہ سوال نمبر 6- اگر انسان زندگی سے اکتا جائے' ایمان سے خالی محسوس کرے اور اللہ کو تلاش کرنے کی قوت ارادی نہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟

جواب : طب کا اصول یہ ہے کہ بیماری کا نام سن کر اس کے علاج میں نہ لگ جاؤ بلکہ پہلے تشخیص کرو کہ بیماری کا سبب کیا ہے سبب معلوم ہو جائے تو اس سبب کو دور کرو۔ بیماری کا علاج

ہوگیا سبب کو دور کیے بغیر اگر علاج کرتے رہو تو ممکن ہے بیماری دب جائے دور نہیں ہو گی۔ مثلاً" ایک آدمی کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں علاج کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان پر مرہم لگاؤ یہ اناڑی ڈاکٹر کا طریقہ ہے۔ ماہر ڈاکٹر پہلے تو یہ تلاش کرے گا کہ یہ پھوڑے پھنسیاں کیوں نکلی ہیں جب اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی وجہ خون کی خرابی ہے تو بس وہ خون کی خرابی کا علاج کرے گا۔ پھوڑے پھنسیاں ختم۔

اسی طرح زندگی سے اکتا جانا بیزار ہونا ایک بیماری ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کا سبب کیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ سبب یہ ہے کہ آدمی چاہتا ہے کہ کائنات کا نظام میری پسند اور میری مرضی کے تحت چلے ایسا ہوتا نہیں اس لئے وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ اس کا علاج کیا ہے وہی کہ سبب کو دور کرو۔ علاج ہو گیا اب سوچنا یہ ہے کہ اس کا طریقہ کیا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ 1-خالق کائنات جو اپنی کائنات کا نظام چلا رہا ہے وہ اپنے اس منصب سے دستبردار ہو جائے مگر لاکھوں برس گزر گئے۔ اس نے ایسا کبھی نہیں کیا 2-اس کے خلاف طاقت استعمال کر کے اسے مجبور کیا جائے کہ وہ دستبردار ہو جائے یا پھر اسے پوری قوت سے میدان سے باہر کیا جائے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا بھی کبھی نہیں ہوا۔ کئی نمرود اور شداد کوشش کر بیٹھے اور کئی فرعون انا ربکم الاعلیٰ کا جھوٹا نعرہ لگا کر میدان میں اترے مگر مدبر کائنات جو خالق کائنات ہے اسے اس منصب سے ہٹا نہیں سکے۔ 3-تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود اس دعویٰ اور اس خواہش سے دستبردار ہو جائے اور مان لے کہ میں اس کائنات کی مشینری کا اک پرزہ ہوں۔ اس کا موجد جب مجھے چلانا چاہتا ہے ویسے ہی چلوں۔ سبب دور ہو جائے گا اور وہ صحت پا جائے گا۔ اس تیسرے طریقے کے لئے ایک خاص *process* یہ ہے کہ اس مشینری کے موجد نے جو *book of instruction* ساتھ دی ہے اسے دیکھ کے اس مشینری سے کام لیا جائے گا۔ ایسا ہو گا تو مشینری خوب چلے گی۔ *production* عمدہ ہو جائے گی۔ بے زاری دور ہو جائے تو طبیعت ہشاس بشاش ہو جائے گی پھر زندگی سے بیزاری کی جگہ زندگی کو *enjoy* کرے گا۔ یہ کتاب کہاں سے ملے گی؟ یہ کتاب مذہب سے ملے گی وہ مذہب جو کامل اور سچا مذہب ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ زندہ رہنے کا اک سلیقہ سکھاتا ہے۔ کہ اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو آدمی یہ چند روزہ زندگی نہایت پر لطف پرامن بھرپور اور پاکیزہ زندگی بسر کرے گا۔ اور اس کا اثر یہ ہو گا کہ ابدی زندگی کے لئے راحت اور عیش کا سامان خود بخود جمع ہوتا چلا جائے گا اب آدمی نے فیصلہ کرنا ہے کہ پہلے دو طریقے آج تک استعمال نہیں ہوئے لہٰذا آئندہ بھی نہیں ہو

سکتے۔ تیسرا طریقہ استعمال ہوا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں یہ تیسرا طریقہ استعمال ہوا انسان ایسا سکھی رہا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اگر آدمی تیسرا طریقہ استعمال کرنے پر آمادہ ہو جائے تو زندگی کا لطف اٹھائے گا اور اس پر آمادہ نہیں ہوتا تو اس کا علاج یہی ہے کہ وہ یہاں سے رخصت ہو جائے۔

خس کم جہاں پاک

Q No.7 -What is Islamic concept of an ideal relation between man and his creator ?

ترجمہ سوال نمبر 7۔ انسان کا اپنے خالق کے ساتھ مثالی تعلق قرآن کی روشنی میں کیا ہے؟

جواب : انسان اور اس کے خالق کا رشتہ تو فطری ہے انسان کے بنانے سے نہیں بنتا۔ جس طرح بیٹے کا رشتہ باپ سے فطری ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان اپنی مرضی سے جسے چاہے اپنا باپ بنا لے۔ انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ بندے اور خالق کے درمیان جو فطری رشتہ ہے اسے قائم رکھنے کی انتہائی کوشش کرے اور اس رشتے کے تقاضے پورا کرے اس رشتے کے کئی پہلو ہیں مثلاً"

(1)- اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان مخلوق ہے۔

(2)- وہ مالک ہے اور انسان مخلوق ہے کیوں کہ کوئی چیز بنانے والا اس کا مالک ہوتا ہے بنوانے والا نہیں بنانے والا

(3)- وہ رازق ہے اور انسان اس کا محتاج ہے۔

(4)- بندے کا کام مالک کا حکم ماننا ہوتا ہے اور مالک کا کام حکم دینا ہوتا ہے اس کا حکم ماننے کو اسلام کی اصطلاح میں عبادت کہتے ہیں تو انسان کا کام اسی کی عبادت کرنا ہے۔

(5)- خالق نے انسان کو بے مقصد نہیں بنایا۔ اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کرہ ارض پر اس کا نائب ہے اور نائب کا کام ہوتا ہے کہ اصل حکمران کی سٹیٹ میں اس کا قانون نافذ کرے اگر کوئی نائب اس کی ریاست میں اپنا قانون چلائے تو وہ نائب نہیں ہوتا باغی ہوتا ہے۔

(6)- جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا ہے اس کے متعلق ایک روز باز پرس بھی کرے گا کہ اپنی ڈیوٹی ادا کی یا بغاوت میں عمر گزاری جو آدمی امتحان میں کامیاب ہو

گیا اسے انعام دے گا مجرم کو جرم کے مطابق سزا دے گا۔

(7)- اس Judgement کے بارے میں خالق کا رویہ اس رویہ سے مختلف ہو گا جو یہاں مخلوق مخلوق کے ساتھ کرتی ہے وہ یہ کہ مخلوق یا تو انصاف کرتی ہے یا ظلم مگر وہ ظلم تو ہرگز نہیں کرے گا۔ اور انصاف کرے تب بھی مخلوق کا کام up to the mark ہونا بہت مشکل ہے کم ہی ایسے لوگ ہوں گے اس لئے اس کا رویہ بندوں کے ساتھ رحمت اور فضل کا ہو گا۔

بندے اور خالق کے درمیان فطری رشتے کے یہ تقاضے ہیں جن کو اپنی بساط بھر پورا کرنے سے بندے کا تعلق خالق سے آئیڈیل قسم کا ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اس سلسلے میں موجود ہیں۔

(1)- الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان (3:55)

خلق کا لفظ قرآن مجید میں 64 مرتبہ آیا ہے۔

(2)- للہ ملک السموت والارض و مافیھن (120:5)

(3)- اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم (40:30)

نحن نرزقک (132:20)

(4)- وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (56:51)

(5) وھو الذی جعلکم خلٰئف الارض (165:6)

واذقال ربک للملٰکته انی جاعل فی الارض خلیفته (30:2)

(6)- افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لاترجعون (115:23)

ثم لتسئلن یومئد عن النعیم (8: 102)

(7)- نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کوئی شخص صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکے گا بلکہ اللہ کی رحمت کی وجہ سے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ بھی؟ فرمایا ولاانا الاان یتغمد نی اللہ برحمته

"یعنی میں بھی نہیں جب تک اللہ کریم مجھے اپنی رحمت سے نہ ڈھانپ لے"۔ اللہ کی رحمت کا بیان قرآن مجید میں یوں آیا ہے لفظ رحمٰن 57 مقام پر رحیم 115 جگہ رحمت 79 جگہ ترحمون 8 جگہ یعنی کل 259 جگہ رحمت کا ذکر ہے۔

Q No 8 :- The Bible says the poor will always

be among you. In Islam is man graranteed success if he does his level best ?

ترجمہ سوال نمبر 8- انجیل کہتی ہے کہ غریب ہمیشہ تم میں موجود رہیں گے۔ اسلام میں کیا انسان کی محنت اسے لازماً" کامیابی دلاتی ہے۔

جواب :- سوال میں کچھ ابہام ہے واضح نہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ سائل یہ کہنا چاہتا ہے کہ بائیبل جو الہامی کتاب ہے وہ کہتی ہے تمہارے معاشرے میں غریب لوگ ہمیشہ موجود رہیں گے اور اگر قرآن (جو الہامی کتاب ہے) یہ کہتا ہے کہ ہر شخص جو کوشش کرے گا لازماً" کامیاب ہو گا۔ لہٰذا کسی کو غریب نہیں رہنا چاہئے کیوں کہ ہر شخص امیر بننے کی کوشش کرتا ہے اس سے قرآن اور بائیبل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ poor ایک Relative term ہے اس کی کوئی تعین نہیں ہو سکتی کہ poor کون ہے اگر اس کا پیمانہ دولت کو کہا جاتا ہے تو کتنی دولت والے کو poor کہیں گے اور کتنی دولت والے کو rich کہیں گے اگر اس کی مقدار مقرر کریں تو سوال یہ ہو گا کہ یہ مقدار کس اصول کے تحت مقرر کی گئی ہے اس کا کوئی اصول ہی نہیں۔

کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ rich وہ ہے جو نہایت اطمینان اور سکون سے زندگی بسر کر رہا ہے اس کا کوئی کام رکتا نہیں اور جس کو سکون میسر نہیں اگر اس کے پاس دولت کے انبار بھی ہوں تو وہ poor ہی ہے چنانچہ ایک اکانومسٹ کہتا ہے۔

the advantage of economic growth is not that wealth increases happiness. There is no evidence that individuals grow happier as their wealth increases (The theory of ceonomic growth by Arthur Lewis)

اس لئے قطعی طور پر یہ فیصلہ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ poor کون ہے۔

اسلام یہ اصول بتاتا ہے کہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا پھل ملے گا اب یہ فیصلہ کرنا کہ کس نے کتنی کوشش کی اور اس کا کتنا پھل ملنا چاہئے یہ اسی کا کام ہے جس نے یہ اصول بتایا ہے ہم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ فلاں کی اتنی تنخواہ مقرر کی اور یہ ڈیوٹی لگائی اس نے ڈیوٹی دی تنخواہ مل گئی جتنے دن غیر حاضر رہا تنخواہ کٹ گئی یہ اصول صرف ملازمت کے پیشے میں کام دے گا۔ اس سے ہٹ کر جو آزاد پیشے ہیں جن میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے وہاں

یہ اصول کام نہیں دیتا۔ خیر ان میں سے جو صورت بھی ہو ہماری نگاہ مادیات اور اس زندگی سے آگے نہ دیکھ سکتی ہے نہ سوچ سکتی ہے۔

اسلام سب سے پہلے یہ بتاتا ہے کہ زندگی کسے کہتے ہیں اسلام کے نزدیک زندگی کے دو phase ہیں۔ ایک پیدا ہونے سے مرنے تک جو بالکل Short span of life ہے دوسرا مرنے سے نہ ختم ہونے والے عرصے تک یہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی پیمائش کے لئے کوئی پیمانہ ہی نہیں۔ پھر ان دونوں کا آپس میں تعلق پہلا حصہ ذریعہ (mean) ہے دوسرا مقصد (End)۔

پھر اسلام انسانی کوشش کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اول وہ کوشش جو صرف پہلے حصے کے آرام اور عیش کے لئے کی جائے دوم وہ کوشش جو دوسرے حصے کے عیش اور آرام کے لئے کی جائے پہلے حصے کے متعلق اسلام یہ اصول بتاتا ہے کہ من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا خوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لاینحسبون - اولئک الذین یس لھم فی الاخرۃ الالنار (16-15:11)

یعنی جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں ان کے کاموں کا بدلہ ہم اسی دنیا میں دے دیا کرتے ہیں پھر اس میں ان کو کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا البتہ آخرت میں ان کو بجز آگ کے کچھ نصیب نہیں ہو گا۔

پھر اسلام انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک وہ جو اس کائنات کے موجد کی ریاست میں پرامن شہری بن کر اور اس کے آئین و دستور کو تسلیم کر کے زندگی بسر کرتے ہیں دوسرے وہ جو اس کا آئین تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے حکمران ہی تسلیم نہیں کرتے اور باغیانہ اور جرائم پیشہ کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر وہ ایسا منصف اور رحیم ہے کہ باغیوں کی کوشش بھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ یوں سمجھئے کہ انسان کا اکاؤنٹ اللہ کے بنک میں کھلا ہوا ہے البتہ باغیوں کا صرف Current account ہے جو انہیں یہیں نمٹا دیا جاتا ہے قرآن مجید کی ایک اور آیت میں اس کا ذکر یوں ہے ویوم یعرض الذین کفر وا علی النار اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا ۔ (20:46)

"یعنی جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے ان کو کہا جائے گا کہ تم (اپنے کئے کی) دنیا میں خوب لذتیں پا چکے اور فائدے اٹھا چکے"۔

اور جو اس کی حکومت کو تسلیم کرے پرامن شہری ہیں ان کے تین اکاؤنٹ ہیں کرنٹ اکاؤنٹ - سیونگ اکاؤنٹ اور فکسڈ ڈیپازٹ .... چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے۔ من عمل

صالحا" من ذکرا" اواُنثیٰ وھومومن فنحیینه حیٰوۃ طیبته ولنجزینھم اجر ھم باحسن ماکا نوایعملون (16:97) یعنی جو کوئی ایماندار ہو کر نیک اعمال کرے مرد ہو یا عورت تو ہم ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے اور ہم ان کو ان کے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے اس میں کرنٹ اکاؤنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ کا ذکر آ گیا لیکن ایک اور آیت کے اندر وضاحت ہے من جاء بالحسنته فله عشر امثالھا (6:160) یعنی جو شخص کوئی نیک کام کرے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا۔ یہ ہے سیونگ اکاؤنٹ تیسری قسم یعنی فکسڈ اکاؤنٹ کا ذکر اس طرح آتا ہے۔

مثل الذین ینفقون امولٰھم فی سبیل اللہ کمثل حبته ابنتت سبع سنابل فی کل سبلته مئته حبه واللہ یضاعف لمن یشآء (2:261)

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایک دانہ کی طرح ہے جس سے سات سٹے نکلتے ہیں ہر سٹے میں سو دانے ہیں اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے اس سے بھی زیادہ کر دے گا۔

اب رہی کوشش کا بدلہ دینے کی صورت تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں - مثلاً"

(1)- انسان جس چیز کے لئے کوشش کرتا ہے اور جس وقت کے لئے کرتا ہے اس کو اللہ وہ چیز اسی وقت دے دیتا ہے۔

(2)- اللہ اپنے بندوں پر حد سے زیادہ شفقت فرماتا ہے اس لئے اگر وہ چیز اس وقت موزوں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ دوسرے موزوں وقت پر دے دیتا ہے۔

(3)- جس چیز کے لئے انسان کوشش کرے وہ چیز اس کے لئے مضر ہو تو اللہ وہ نہیں عطا کرتا اس کی جگہ کوئی اور چیز عطا کر دیتا ہے جو اس کے لئے مفید ہوتی ہے۔

(4)- پرامن شہری کے لئے اس چیز کا بدلہ فکسڈ ڈیپازٹ اکاؤنٹ میں جمع کر دیتا ہے جو اسے اپنے وقت پر کئی گنا زیادہ ملے گا بہرحال اللہ یہ کبھی نہیں کرتا کہ کسی کی کوشش رائیگاں جائے یہ تو ایسے کاموں کی کوشش کے صلے کی تفصیل ہو گی جو اس کائنات کے موجد اور حکمران کی پسند کے کام ہوں اور وہ کوشش جو ایسے کاموں کے سلسلے میں کی جائے جو اسے پسند نہیں اس کے بدلے کا اصول دوسرا ہے جس کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

(1) جتنا جرم کوئی کرے گا اتنی سزا ملے گی زیادہ نہیں ہاں رعایت ہو سکتی ہے چنانچہ

قرآن کہتا ہے ومن جاء بالسیئته فلا یجزٰی الا مثلها (160:6) یعنی جس نے برائی کی ہو گی اسکو اسی قدر سزا ملے گی اور وما اصابکم من مصیبته فبما کسبت ایدیکم و یعفوعن کثیر (30:42) یعنی جو کچھ تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور بہت سے قصور معاف بھی کر دیتا ہے۔

(2)- جرم کی سزا فوری نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے کہ آدمی اپنی اصلاح کرنا چاہے تو کر لے۔

ولو یواخذ الله الناس بما کسبوا ماترث علی ظهرها من وابته ولکن یوءذهم الی اجل مسمٰی (45:36)

یعنی اگر اللہ لوگوں کا ان اعمال پر مواخذہ کرتا تو کسی جاندار کو زمین پر زندہ نہ چھوڑتا لیکن ایک وقت مقررہ تک ان کو مہلت دیتا ہے۔

(3)- اعمال کا کچھ بدلہ یہاں ملتا ہے پورا نہیں۔

ماخطیئتهم اغرقوا فادخلوا نارا (25:71)

یعنی وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کئے گئے پھر جہنم کی آگ میں داخل ہو گئے۔

(4)- اعمال کا مکمل بدلہ یہاں نہیں دیتا کہ دنیا دارالعمل ہے دارالجزاء نہیں پورا بدلہ دوسری دنیا میں ملے گا جو دارالجزاء ہے۔

وانما توفون اجورکم یوم القیمٰته (185:3)

یعنی قیامت کے روز تمہیں اپنے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ تفصیل اس امر کی وضاحت ہے کہ اسلام ہر ایک کو اس کوشش کا صلہ دینے کا اصول بتاتا ہے۔

ایک امر قابل غور ہے کہ یہ poor والا معاملہ کھٹکتا ہے اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اسلام کا یہ اصول سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسان جب تک یہاں ہے زیر امتحان ہے وہ جو کچھ کر رہا ہے گویا پرچہ لکھ رہا ہے اس کی مارکنگ ایک روز لازماً ہو گی۔

دوسرا اصول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غریبی ہمیشہ سزا کے طور پر نہیں ملتی ان دونوں اصولوں کو جمع کرنے سے ایک صورت پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ امتحان کا ایک پرچہ صبر ہے چنانچہ اعلان فرمایا ولنبلونکم بشیی من الخوف والجوع و نقص من الاموال والا نفس والثمرات (155:2)

یعنی ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تھوڑے سے ڈر یا بھوک یا مالی اور جانی نقصان سے۔ معلوم ہوا کے غریبی نہ تو ہمیشہ سزا ہوتی ہے نہ حق تلفی بلکہ صبر کا ایک پرچہ ہے اور اس پرچہ میں کامیاب ہونے والوں کو بشارت ہے۔

انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب (10:39)

یعنی صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

کسی کے غریب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالٰی کے خزانے میں کوئی کمی آگئی ہے یا کسی کی حق تلفی ہوئی ہے بلکہ یہ تو انعام لینے کا ایک بہانہ ہے۔

اس کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ آدمی فوج میں بھرتی ہوتا ہے ایک عام سپاہی دوسرا کمانڈو دونوں کی تربیت کی صورت بھی مختلف ہے اور معیار بھی مختلف کمانڈو کو رات آرام کرنے کی اجازت نہیں۔ سخت دشوار کام کروائے جاتے ہیں پھر کمانڈو کا "Servival Test" کا سن کر عام آدمی کے ہوش اڑ جاتے ہیں کہ کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ اور حکم ہوتا کہ تین دن میں یہ جنگل عبور کر کے وہاں پہنچانا ہے مگر یہ تین دن نہ کسی آبادی کے قریب جانا ہے۔ نہ کسی آدمی سے ملنا ہے۔ اب بتایئے کہ ایک طرف گورنمنٹ کے پاس راشن ختم ہوگیا نہیں یہ تو ٹیسٹ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمانڈو کا عام سپاہی سے راشن بھی دوگنا ہے اور تنخواہ بھی دوگنی یہ ہے اس کا بھوکا رکھنے کا صلہ۔

غریبی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی محنت کر کے غیر ملک سے دولت کما کے لایا ایئر پورٹ پر کسی نوسرباز یا ڈاکو کے ہاتھوں لٹ گیا اس کو اس کی محنت کا صلہ تو مل گیا اگر ڈاکو اسے لوٹ لیتے ہیں تو اسے اسلام کے اس اصول پر ذد کیوں پڑی کہ "انسان جو محنت کرتا ہے اس کا صلہ مل جاتا ہے" اس شخص کے غریب ہونے کا سبب وہ ڈاکو ہے۔ اسلام تو نہیں ہے۔

جس طرح کسی معاشرے میں بعض افراد جرائم پیشہ اور ڈاکو ہوتے ہیں جو اچھے اچھے امیروں کو غریب کر دیتے ہیں اسی طرح بعض معاشی نظام ایسے ہوتے ہیں کہ غریبوں کے امیر بننے کا موقع ہی نہیں مل سکتا۔ وہ نظام ہی ڈاکو اور نوسرباز کا کام کرتے ہیں۔

یعنی بات انفرادی ڈکیتی سے اجتماعی ڈکیتی کی صورت تک پہنچ جاتی ہے مثلاً" کیمونزم کو لیجئے اس کے معاشی نظریئے کی ابتدا حقوق ملکیت سے ہوتی ہے یعنی فرد کے پاس حقوق ملکیت نہیں دیئے جاسکتے۔ یہ دراصل فطرت انسانی کے خلاف اعلان جنگ ہے کیوں کہ کام یا محنت کا محرک ہی حق ملکیت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ملک کے حقوق ملکیت Ruling party کے

پاس تھے۔ اس کے ارکان ملک کا امیر ترین آدمی ہے۔ اور باقی ساری رعایا کی ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص کی صلاحیتوں سے پورا پورا کام لیا جائے گا۔ مگر اس کا معاوضہ سب کو یکساں اور اتنا کہ نہ مریں نہ جئیں۔ یہ نظام تھوک پیمانے پر غریب بنانے کی سکیم ہے اور لطف یہ ہے کہ اس سکیم کو عمل میں لانے کے لئے 19 لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ 20 لاکھ کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ اور 40 لاکھ کو ملک چھوڑنا پڑا۔ گویا فرد کو اپنی محنت کا حاصل ملنے پر یہ پورا نظام رکاوٹ بن گیا۔

"سرمایہ دارانہ نظام" اس کی ابتداء بے قید معیشت سے ہوتی ہے اور اس نظام کی بنیاد سود پر رکھی گئی سودی نظام کی خاصیت یہ ہے کہ دولت کا بہاؤ نادار سے مالدار کی طرف ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹتی چلی جاتی ہے۔ امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور غریب غریب تر اور امیروں کی تعداد گھٹتی چلی جاتی اور غریبوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے یہ نظام فرد کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو کہ ایک ڈاکو مالدار کے ساتھ کرتا ہے۔

بے قید معیشت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسانی اخلاقی اقدار ختم ہو کر رہ جاتی ہیں اور ملک میں چند بڑے سرمایہ داروں کے علاوہ عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور اخلاقی بے راہ روی عام ہو جاتی ہے جرائم بڑھ جاتے ہیں

Newton tnino 30 سال فیڈرل کمیونیکیشن کے چیئرمین رہے۔ اور سی بی اے کے آٹھ سال ڈائریکٹر رہے وہ کہتے ہیں کہ

"امریکہ میں جب بچہ 18 سال کی عمر تک پہنچتا ہے وہ امریکی ٹی وی پر 25 ہزار مرتبہ قتل و غارت زنا بالجبر کے مناظر دیکھ لیتا ہے۔ وہاں اگر غریب لوگ نہیں تو قتل و غارت کیوں ہوتی ہے؟ "جنگ" 91-3-23 میں لکھا ہے کہ امریکہ میں 1990ء میں عورتوں کی جبری آبرو ریزی کے ایک لاکھ سے زیادہ واقعات ہوئے فی گھنٹہ 12 اور یومیہ 300 حملوں کا ریکارڈ ہے۔ یہ معاشرہ انسانوں کا ہے یا جنگلی درندوں کا۔ گویا یہ نظام بھی انسان کو ایسے سائنٹیفک طریقے سے غریب بناتا ہے کہ شعور تک نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اسلام کا یہ اصول یقیناً" ایک حقیقت ہے کہ انسان کو اس کی محنت کا پھل مل کے رہتا ہے۔ بشرطیکہ یہ انفرادی اور اجتماعی ڈاکو راستے میں اسے اچک نہ لیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظام معیشت کے اصول کلی طور پر انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ مثلاً"

(1)-اکتساب مال کے ذرائع میں جائز و ناجائز کی تفریق (2)-مال جمع کرنے کی ممانعت

(3)۔خرچ کرنے کا حکم (4)۔زکوٰۃ کا حکم (5)۔قانون وراثت

ا۔ اس نظام کی خاصیت یہ ہے کہ دولت کا بہاؤ مالدار سے نادار کی طرف ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت میں پھیلاؤ ہوتا ہے مال چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہ جاتا۔ امیر، امیر ترین نہیں ہو سکتا۔ اور غریب، غریب تر نہیں ہونے پاتا۔ معاشرے میں اعتدال کی کیفیت ہوتی ہے اس کا ثبوت خلافت راشدہ کا دور ہے۔ جو مثالی دور ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت اب کیوں نہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کہنے کو اب 45 سے زائد مسلمانوں کی آزاد ریاستیں ہیں مگر ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نقشہ نظر نہیں آتا۔ یہ ریاستیں حقیقت میں نہ آزاد ہیں۔ نہ اسلامی ہیں۔ ہر ریاست نظریہ اور عمل میں مغرب کی غلام ہے کسی میں قرآن و سنت کو بالادستی حاصل نہیں پھر وہ اسلامی کیسے ہوئیں؟۔ اسلام آئے تو یہ ساری برکات آ جائیں۔